دمہ، کھانسی، بواسیر وغیرہ جو عمر بھر ساتھ رہتی ہیں اور کچھ علاج معالجہ سے صحت بھی ہو جاتی ہے۔ تو ایسا بیمار تندرست کے حکم میں ہے۔ کیونکہ تھوڑا بہت انسان بیمار رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اس زہر سے فوت ہوئے جو ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں کسی شے کے کاٹنے سے اندر سرایت کر گیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی زہر سے فوت ہوئے جو سنہ ۷ھ میں خیبر کے موقع پر یہود نے دعوت کے بہانے سے بکری کے گوشت میں آپ کو کھلایا تھا۔ آپ کے تالو کی بوٹی جس کو پنجابی میں کاں کہتے ہیں، اس زہر کے اثر سے کالی ہو گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ مجھے اس سے تنگی رہتا ہے۔ اور وفات کے وقت فرمایا کہ اب اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوا کہ ایسی بیماری تندرستی کے حکم میں ہے اور نہ حضرت ابو بکرؓ سارا مال دیتے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے۔ اور اگر خطرناک بیماری ہو جس میں عموماً موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کی پھر دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد صحت ہو جائے تو اس بیماری کے اندر تصرفات تندرستی کا حکم رکھتے ہیں اور اگر اس بیماری میں موت واقع ہو گئی تو یہ مرض الموت ہے اور مرض الموت کے تصرفات وصیت کا حکم رکھتے ہیں۔ جو تہائی مال تک جاری ہو سکتی ہے چنانچہ تلخیص الحبیر اور محلی ابن حزم وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو باغ کی کھجوریں ہبہ کیں۔ حضرت عائشہ سے کسی وجہ سے کاٹنے میں دیر ہو گئی۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکرؓ مرض الموت سے بیمار ہو گئے ـــــــ جس سے موت کے آثار ظاہر ہو گئے چونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے۔ بغیر قبضہ کے ہبہ مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے بیٹی! اگر تو میری بیماری سے پہلے قبضہ کر لیتی تو تیری چیز ہو جاتی۔ اب یہ مال وارث کا ہے یعنی دوسرے وارثوں کی طرح تجھے اس سے حصہ ملے گا۔ اب ہبہ نہیں رہا۔ اور اس کو وصیت اس لئے نہیں بنایا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں دیکھنا چاہیئے کہ بیماری کس قسم کی ہے۔ سو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وقف کا بیان

ایک مسجد یا مدرسہ کا مال دوسری مسجد یا مدرسہ پر خرچ کرنا۔

سوال۔ وقف شدہ مال کسی متعین مسجد و مدرسہ کا دوسری جگہ کسی دینی امر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس مسجد و مدرسہ سے بچ رہے اور اس میں ضرورت نہ ہو۔

جواب۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا جس سے مقصود اس کا جہاد تھا۔ اس کے بعد اس کو حج کی ضرورت ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اور فرمایا یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد یا مدرسہ کی شے جب فالتو ہو تو دوسری مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ سب فی سبیل اللہ ہیں۔ عبداللہ امرتسری ۲۸ ربیع الاول ۵۵ھ

وقف کا بیکار مال

سوال۔ مسجد گر جائے عمارت نہ رہے چٹیل میدان بن جائے یا لوگ اس پر قبور بنالیں تو پھر بھی مسجد کی جگہ مسجد ہی رہے گی یا نہیں؟ فضل عظیم قریشی

جواب۔ حدیث میں ہے۔ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ۔ یعنی وقف نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ وراثت میں لی جاسکتی ہے۔ اس بناء پر مسجد کی عمارت خواہ بالکل خراب ہو جائے وہ چٹیل میدان وقف ہی رہے گا۔ لیکن اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی صورت کیا ہے اگر مسجد کی صورت نہیں مثلاً وہ جگہ کسی وجہ سے مسجد کے قابل نہیں رہی یا اس کو بنانے کے لیے پیسوں کا انتظام ہونا مشکل ہے اور نماز کے لیے دوسری مسجد موجود ہے یا کوئی اور وجہ ہے تو اس مسجد کو کسی اور وقف میں تبدیل کر دیا جائے جس سے دوسری مسجد کو فائدہ پہنچے۔ مثلاً یہ جگہ کرایہ پر یا ٹھیکہ پر دیدی جائے یا اس میں کھیتی کی جائے یا کوئی شخص اپنے پیسوں سے یہاں پر دکان یا مکان بنائے اور اس کے کرایہ سے اپنا قرض پورا کر کے اس کو چھوڑ دے یا کرایہ ادا کرتا رہے۔

اگر وقف رہنے کی صورت میں دوسری مسجد کو فائدہ نہیں تو پھر فروخت کر کے اس کی قیمت دوسری مسجد پر خرچ کر دی جائے اگر دوسری مسجد پر ضرورت نہ ہو تو درس و تدریس یا کسی اور نیک مصرف میں لگا دی جائے بہر صورت جو شے خدا کی ہو چکی حتی الوسع کسی نہ کسی طرح اس کو اس کی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔ ضائع نہ ہونے دے اگر کوئی اور صورت نہ ہو تو قبرستان ہی سہی۔

کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے ایک عام فائدہ کی شے ہے۔ ہاں اگر معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو مجبوری ہے جانے دے۔ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا۔

الرجعۃ المھداۃ فصل رابع مشکوٰۃ باب العدی ص۱۲۳ میں ہے۔ عن ابی قتادۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ سَاقَ هَدْيًا تَطَوُّعًا فَعَطِبَ فَلَا يَأْكُلْ مِنْهُ فَإِنَّهُ إِنْ أَكَلَ مِنْهُ كَانَ عَلَيْهِ بَدَلُهُ وَلٰكِنْ يَنْحَرُهَا ثُمَّ يَغْمِسُ نَعْلَيْهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ يَضْرِبُ بِهَا صَفْحَتَهَا وَإِنْ كَانَ هَدْيًا وَاجِبًا فَلْيَأْكُلْ إِنْ شَاءَ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ قَضَائِهَا۔ یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مکہ شریف میں نفلی قربانی لے جائے، اگر وہ قربانی رہ جائے یعنی مرنے لگے تو خود اس سے نہ کھائے کیونکہ اگر کھائے گا تو اس کے عوض اس کو دوسری قربانی دینی پڑے گی۔ بلکہ اس کو ذبح کرے اور اس کی جوتیاں اس کے خون میں تر کرکے اس کے پہلو میں لگا دے۔ جس سے قربانی کی پہچان رہے تاکہ ساتھیوں سے بھی کوئی نہ کھائے اگر وہ قربانی جو رہ گئی ہے۔ واجب ہو تو اس سے کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی قضا لازمی ضروری ہے۔

(۲) عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى فِي هَدْيٍ لَهُ نَاقَةً عَوْرَاءَ فَقَالَ إِنْ أَصَابَهَا بَعْدَ مَا اشْتَرَيْتُمُوهَا فَأَمْضُوهَا وَإِنْ كَانَ أَصَابَهَا قَبْلَ أَنْ تَشْتَرُوهَا فَأَبْدِلُوهَا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ۔ یعنی ابو حصین سے روایت ہے کہ ابن زبیرؓ نے اپنی قربانی کے جانور دیکھے ایک قربانی کانڑی (کانی) تھی فرمایا اگر خریدنے کے بعد کانڑی ہوئی ہے تو قربانی ہو جائے گی، اگر پہلے کانڑی تھی تو اس کو بدل دو۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ أَوْ قَالَ بِكُفْرٍ لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَجَعَلْتُ بَابَهَا بِالْأَرْضِ وَلَأَدْخَلْتُ فِيهَا مِنَ الْحِجْرِ (رواہ مسلم)

یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے ہیں کہ اگر تیری قوم جاہلیت کے ساتھ نئے نئے نہ ملی ہوتی تو میں بیت اللہ کا خزانہ نکال کر فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتا اور بیت اللہ کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حجر کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔

بیت اللہ کے خزانہ سے مراد وہ مال ہے جو لوگ بیت اللہ کی خاطر نذر دیا کرتے تھے جیسے مساجد میں لوگ دیتے ہیں، یہ خزانہ بیت اللہ میں اسی طرح دفن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ یہ بیت اللہ کی حاجت سے زائد بیکار پڑا ہے تو خیال ہوا اس کو فی سبیل اللہ تقسیم کر دیا جائے لیکن کفار چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، خطرہ تھا کہ کہیں وہ بدظن نہ ہو جائیں اس لئے چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوا کہ جب وقف کی حالت ایسی ہو جائے کہ ضائع ہوتی نظر آئے تو اس کی کوئی صورت ایسی بنانی چاہیے۔ جس سے وہ ضائع نہ ہو۔

پہلی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس مطلب کے لئے کوئی شے نذر دی گئی ہے۔ اگر اس مطلب کے

وہ لائق نہ رہے تو اس کو بدل سکتے ہیں، یعنی وہ اپنے استعمال میں لے آئے اور اس کے عوض دوسری دے دے جس کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ ضروریات کے لئے فروخت بھی کر سکتا ہے۔

کشف القناع عن متن الاقناع جلد ۲ صـ۴۹ پر ہے۔

وَاحْتَجَّ الْإِمَامُ بِأَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ حَوَّلَ الْمَسْجِدَ الْجَامِعَ مِنَ التَّمَّارِيْنَ اِلَى بِالْكُوْفَةِ۔ انتہیٰ۔

یعنی امام احمد رحمہ نے تبدیل وقف پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جامع مسجد کھجوروں کے تاجروں سے بدل دی یعنی بدل کر کوفہ میں دوسری جگہ لے گئے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ شارع عام تنگ ہوگیا تو انہوں نے مسجد کا کچھ حصہ رستہ میں ڈال دیا ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳ صـ۲۸۹۔

غرض اس قسم کے تصرفات اور تغیرات میں درست ہیں جن سے وہ ضائع نہ ہو۔ بلکہ ترقی یا محفوظ ہو جائے بلکہ حنفیہ کا بھی آخری فتویٰ اسی پر ہے چنانچہ صـ۵۳ رد المحتار جلد ۳ صـ۴۱۷ میں اس کی تصریح کی ہے اور امام محمدؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر وقف بیکار ہو جائے تو اس کے اصل مالک یا وارثوں کے ملک میں ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ وقف کی غرض پر دارومدار ہے حتی الوسع اس کو ضائع نہ ہونے دے ورنہ حوالہ خدا۔

اور اسی بنا پر وقف علی الاولاد کی صحت کی صورت میں یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے کہ اگر اولاد پھیل جائے اور بہت ہو جائے اور وقف کی آمد سے تقسیم ہو کر ہر ایک کے حصہ میں اتنا کم آنے لگے۔ کہ وہ کسی شمار میں نہ رہے مثلاً آنہ پیسہ تک نوبت پہنچ جائے تو وہ اس وقف کو فروخت کر کے اپنی کوئی شے بنا سکتے ہیں اور میں پہلے تو وقف علی الاولاد کی صحت کا فتویٰ دیا کرتا تھا۔ مگر اب میرے دل میں کچھ کھٹکا پیدا ہو گیا ہے کیونکہ اولاد اکثر پھیلے گی۔ اور وقف وقف نہ رہے گی۔ پس عام حالت کے لحاظ سے پہلے ہی سے نظر آ رہا ہے یہ وقف آخر ٹوٹ جائے گی۔ تو پھر ایسا کام ہی کیوں کرے ہاں اگر کوئی ایسی شرائط لگا دے کہ جو عالم ہوں درس و تدریس کریں یا تصنیف وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھیں، وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اگر زیادہ ہو جائیں جس سے ہر ایک کے حصے میں گزارے کے موافق نہ آئے تو پھر بڑے عالم جن کو فلاں ڈگری حاصل ہو حقدار ہیں۔ اگر اس قسم کی کوئی شرط لگا دے تو جواز کی صورت نکل سکتی ہے، ورنہ یہ کوئی مفید شے نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹، شوال ۱۳۵۰ھ

نوٹ :- یہ فتویٰ فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ صـ۴۳۲ باب المساجد میں بھی درج ہے۔ جو مختصر ہے۔

وقف میں تقسیم اور واقف کی اولاد پر وقف

سوال ۔ زید اپنی جائیداد کا چوتھا حصہ وقف کر گیا ہے اور چوتھے حصے وقف کی چوتھائی آمدنی اپنے خاص عزیز غیر وارث کو وصیت کر گیا ہے۔ اب یہ عزیز غیر وارث تقاضا کرتا ہے کہ مجھے اس وقف کی چوتھائی تقسیم کر کے دیدی جائے۔ متولی وقف یہ کہتا ہے کہ تمہارا حق آمد وقف میں جو کچھ ہے وہ میں دینے کو تیار ہوں۔ اس وقف کو تقسیم کر کے تمہیں چوتھائی وقف نہیں دے سکتا۔ اس کی آمد دے سکتا ہوں۔ وقف کی چوتھائی تقسیم کر کے دینی میرے خیال میں شرعاً جائز نہیں۔ اگر ہو تو میں اس طرح تقسیم کرنے کو تیار ہوں۔ کیا یہ تقسیم جائز ہے۔ نیز یہ حصہ آمد اس عزیز کی زندگی تک محدود رہے یا اس کی وفات کے بعد اسکی اولاد کو بھی ملے گا؟

(محمد حسین امرتسر نواں کوٹ)

جواب ۔ متولی کے اختیار میں اگر اس کو خطرہ ہو کہ میں نے چوتھائی الگ کی تو وراثت جاری ہو جائے گی اور موصٰی لہ مالک بن جائے گا۔ تو اس صورت میں بالکل تقسیم نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے درمیان باوجود ان کے بار بار تقاضا کے تقسیم نہیں کی۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے زیادہ محتاط ہونا مشکل ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ وصیت اس کی حیات تک ہے یا اس کی اولاد بھی حقدار ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر میت نے ساری جائیداد وقف کی ہے۔ اور باقی تو ذکر چوتھائی قائم رکھی گئی ہے۔ تو اس چوتھائی کا وہی حکم ہے جو میت نے بقیہ کی نسبت نیت کی تھی۔ یعنی اگر وہ اولاد در اولاد تھی تو یہ چوتھائی بھی اسی طرح سمجھنی چاہیئے۔ ورنہ اس کی حیات تک اس کا حق ہوگا۔ بعد اس کے اولاد کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ متولی مناسب طور پر اس کو صرف کرے اگر یہ زیادہ مستحق ہوں تو ان کو دے۔ ورنہ جہاں بہتر ہو وہاں دے ہاں اگر متوفی چوتھائی کی وصیت کرتے وقت اولاد در اولاد کی تصریح کر گیا ہو یا قرائن سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی نیت اس چوتھائی میں اولاد در اولاد کی ہے تو اس صورت میں اولاد در اولاد ہی ہونی چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری ۸ شوال ۱۳۵۹ھ

وقف علی الاولاد

سوال ۔ تمام ترکہ بقائمی ہوش و حواس مرض الموت سے پہلے وقف علی الاولاد کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں

جواب ۔ وقف علی الاولاد کے جواز میں میرا فتویٰ چھپا ہوا موجود ہے جو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں شائع کیا تھا۔ لیکن اب میرے دل میں اس کے متعلق کئی خدشات ہیں۔ بڑا خدشہ یہ ہے کہ جب اولاد پھیل جاتی ہے اور جائیداد کا منافع ان پر تقسیم ہوتا رہتا ہے تو آخر ایک پیسہ فی نفر حصہ نہیں بیٹھتا۔ اب نہ تو وہ اس کو بیچ سکتے ہیں نہ منافع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ جائیداد اسی طرح بیکار جاتی ہے اگر وہ بیچ سکیں تو یک لخت کچھ رقم ہاتھ میں آجاتے تو وہ کارآمد ہو سکتی ہے ورنہ منافع کسی کام نہیں۔

عبداللہ امرتسری ۲۷ رجب ۱۳۵۷ھ

قبرستان کی آمدن سے دیگیں خرید کر وقف کرنا

سوال ۔ قبرستان کی لکڑی ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کی گئی ہے نمبردار اور ممبران مسجد کی یہ منشاء ہے کہ اس روپیہ کی دیگ و فرش خرید لیا جائے اور ان اشیاء کو کرایہ پر دیا جائے۔ اس آمدن سے کسی مسکین یا طالب علم یا علماء دین یا مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جائے گا۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

اللہ بخش حاجی والٰہ بخش نمبردار نعمت پورہ ڈاکخانہ راجپورہ ریاست پٹیالہ

جواب ۔ وقف کی شے وقف میں صرف کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں قبرستان چونکہ وقف شے ہے اس میں کسی کے لحاظ ملاحظہ کو دخل نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ غریب امیر چھوٹے بڑے سب کو کرایہ پر دی جائے اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ خواہ دیگ فرش وغیرہ بنایا جائے یا کوئی اور شے تیار کی جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء

وقف زمین میں عشر

سوال ۔ وقف اراضی خاص کر جو مسجد کے لئے وقف ہے اس میں عشر ہے؟

جواب ۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضہ کو عامل بنا کر بھیجا۔ بتایا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس رضہ نے صدقہ ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیل نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسول نے اس کو رغنیوں کے مال کے ساتھ غنی کر دیا ہے اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو۔ اس نے تو اپنی زرہیں اور سامان جنگ و ہتھیار گھوڑے اونٹ

وغیرہ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور عباس کا میرے ذمہ ہے اور اس کی مثل اور اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے مگر وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ وہ وقف ہے پس معلوم ہوا کہ وقف مانع صدقہ ہے پس زمین بھی اس کے تحت آگئی۔

نیز حضرت عمرؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی، اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا ملاحظہ ہو منتقی الاخبار مع نیل الاوطار کتاب الوقف۔ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وقف میں عشر نہیں۔

نیز وقف خود ایک قسم صدقہ ہے اور عشر بھی ایک قسم کا صدقہ ہے پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنیٰ نہیں، اس لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی یکم ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

متروک قبرستان

سوال ۔ ایک قبرستان قدیمی ہے اس میں چار سال سے دفن کرنا ترک کر دیا ہوا ہے باشندگان دیہہ نے احاطہ قبرستان میں کھاد، مکانات، مال مویشی اور اپنی رہائش اختیار کر رکھی ہے اس میں ایک قطعہ مسجد اور ایک مدرسہ بھی تعمیر ہے۔ اہل دیہہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس قطعہ اراضی قبرستان کا استعمال ترک کر دیا جائے اور اکثر لوگ کہتے ہیں۔ چونکہ مدت سے قبروں کا نشان نہیں رہا۔ اب اس کا استعمال جائز ہے اس بارہ میں راہنمائی کی جائے۔ محمد عبداللہ ٹونڈی ارائیاں ضلع ہوشیارپور

جواب ۔ جب قبرستان کا نام ونشان نہ رہے تو اس کا حکم قبر کا نہیں رہتا۔ بیت اللہ میں مائی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر ہے چونکہ نشان موجود نہیں۔ اس لئے وہاں نماز پڑھی جاتی ہے جب نشان نہ رہنے کی صورت میں قبر کا حکم نہ رہا۔ تو پھر بے ادبی کا سوال بھی اٹھ گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ رجب ۱۳۵۹ھ

وقف کی خرید و فروخت

سوال ۔ زید مر گیا، زید کی بیوی نے مکان کو وقف کر دیا، اور وقف نامہ میں یہ لکھا کہ آج کی

تاریخ سے وقف اللہ کر دیا۔ اور آج کی تاریخ سے میں اس کی متولی رہوں گی۔ اور مکان کا کرایہ آٹھ روپیہ ماہوار ہے۔ جو کچھ میرے حصے سے بچتا رہے گا۔ اس کو مسجد میں ہر ماہ دیتی رہوں گی۔ یہ وقف نامہ زید کے ورثہ داروں سے پوشیدگی میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ زید کے بھتیجے ترکہ مانگ رہے تھے۔ جب زید کے لڑکے کی بیوی نے سنا کہ مکان وقف کر دیا۔ تو فوراً جا کر قبضہ کر لیا۔ ترکہ کی تقسیم میں زید کی بیوی کا حصہ چار آنہ چار پائی نکلا۔ اب اس کے بعد زید کی بیوی فوت ہو گئی جو اس مکان کے ایک حصہ میں زید کی زندگی میں سکونت رکھتی تھی۔ اس کے بعد زید کی بیوی کے والدین نے اس پر قبضہ کر لیا۔ زید کے بھتیجوں نے اپنا اپنا حصہ فروخت کر ڈالا اور ساتھ ہی اس حصہ کو جو زید کی بیوی کا تھا فروخت کر دیا۔ یعنی ترکہ کا کل مکان فروخت ہو گیا۔ بڑھیا کے مرنے کے بعد جن کو بڑھیا نے متولی بنایا تھا۔ انہوں نے عدالت میں دعویٰ کیا۔ اور عدالت نے وقف نامہ کو ناجائز قرار دیدیا۔ اس صورت میں بڑھیا کا حصہ وقف ہو گا یا وصیت مکان کا اب تک بٹوارہ نہیں ہوا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ بغیر بٹوارے کے وقف ناجائز ہے اور بعض علماء کہتے ہیں جائز ہے۔ ان میں کون حق پر ہے۔

سلیمان شہر کانپور ۲۲ اپریل ۱۹۴۱ء

جواب :۔ وقف شے کا فروخت کرنا درست نہیں۔ بڑھیا کا حصہ ۴ آنہ ۳ پائی وقف ہے جن آدمیوں نے خریدا ہے انہوں نے غلطی کی ہے یہ ان کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ اس کا کرایہ مسجد کو ادا کیا کریں یا چھوڑ دیں۔ تاکہ کسی اور کو کرایہ پر دیا جائے یا مسجد کے کسی اور کام میں آجائے اور خریدنے والے اپنا روپیہ جن سے خریدا ہے ان سے مطالبہ کریں۔ دے دیں تو بہتر ورنہ قیامت کو فیصلہ ہو گا لیکن وقف شے کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ وَلَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْرَثُ وَلَا يُوْهَبُ (بلوغ المرام باب الوقف) یعنی نہ اس کا اصل فروخت کیا جائے نہ وراثت میں لیا جائے نہ ہبہ کیا۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

وقف میں تصرف اور تبدیلی کا حکم

سوال :۔ چک نمبر ۳۰۲ ۱۱ فالز متصل نشاط مل ضلع لائل پور میں لوگ دوسری جگہ سے آکر آباد ہو گئے یہاں دو مسجدیں تھیں۔ ایک بریلوی احناف کی، دوسری اہل حدیث اور دیوبندی حضرات کی مشترکہ۔ نئے آنے والے لوگ اپنے ہم عقیدہ سابق باشندوں کے ساتھ مل گئے یعنی بریلوی اپنی مسجد میں اور اہل حدیث و دیوبندی

ایک مشترکہ مسجد میں نمازیں پڑھنے لگے۔ شروع میں اتحاد و اتفاق سے وقت پاس ہوتا رہا، لیکن آخر مسلک اہلِ حدیث کے ساتھ بعض خصوصی مسائل کی بناء پر نزاع پیدا ہو گئی۔ نئے آنے والے بعض اہلِ حدیث ذی علم تھے۔ ان کی وجہ سے سنن نبوی کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا جو بعض احناف کو ناگوار گزرا۔ نئی آباد ہونے والی جماعتِ اہلِ حدیث نے ارادہ کیا کہ مشترکہ مسجد کی بجائے اپنا علیحدہ انتظام کیا جائے چنانچہ سابق باشندے سے ۲/۵ مرلہ زمین مبلغ چار صد روپیہ میں مسجد خریدی گئی لیکن وہاں نماز پڑھنے پڑھانے کا ارادہ رہا۔ گو بعض دفعہ کوئی شخص نماز پڑھ بھی لیتا۔ مگر باقاعدہ شروع نہ ہوا۔ کیونکہ مانانوالہ کی سابق جماعت اہلِ حدیث کا مطالبہ تھا کہ نماز بدستور مشترکہ مسجد میں اکٹھی پڑھی جائے تاکہ دوسرے لوگوں میں تبلیغ ہوتی رہے۔ یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے نزاع کے باوجود نماز بدستور مشترکہ پڑھی جاتی رہی۔ آخر انقلاب حالات کے باعث یہ مسجد بریلویوں نے چھین لی۔ دیوبندی اپنی کسی دوسری مسجد میں چلے گئے اور اہلِ حدیث باشندوں نے خریدی تھی، دو وجہ سے قابلِ اطمینان نہ رہی۔

اول : یہ کہ جگہ تھوڑی ہے۔

دوم : اہلِ حدیث آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے نماز خمسہ میں شرکت مشکل ہے۔

لہٰذا ، متفقہ فیصلہ ہوا کہ اس کی بدل کوئی دوسری موزوں جگہ خریدی جائے چنانچہ باہمی مشورہ سے قریباً ۲/۵ مرلے جگہ خرید کر اس میں نماز کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اور طے پایا کہ جماعت متفقہ طور پر یہاں مسجد تعمیر کرے۔ سابق اہلحدیث باشندوں نے پہلی مشترکہ مسجد کے متعلق بذریعہ قانونی چارہ جوئی اپنا حق طلب کیا۔ مقدمہ کا فیصلہ یوں ہوا کہ ان کو دو ہزار روپیہ نقد مل گیا۔ اس رقم کے ساتھ کچھ مقامی اور بیرونی چندہ جمع ہو کر مسجد کا ایک کمرہ فوری تیار ہو گیا۔ اس دوران میں پہلی جگہ جو نئے باشندوں نے خریدی تھی۔ وہاں نماز کا سلسلہ تین چار ماہ جاری رہا۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا۔ وہ جگہ ناکافی اور غیر موزوں ہے نئی جگہ وسیع اور ہر اعتبار سے مناسب ہے اس بنا پر متفقہ فیصلہ ہوا کہ پہلی جگہ فروخت کر کے اس کا روپیہ نئی مسجد پر خرچ کیا جائے چنانچہ انجمن نے مولوی عبدالباسط اور عبدالجبار سے چار صد روپیہ کی بجائے مبلغ ۳۲۵ روپے میں سودا کیا۔ لیکن جب رقم کا مطالبہ کیا گیا تو لیت و لعل شروع ہوا کبھی کہا گیا کہ:

اس سودے پر بعض حضرات ناراض ہیں اس لئے یہ کینسل ہے۔

اور کبھی یوں کہا گیا کہ یہ مسجد کی نیت پر خریدی گئی تھی لہٰذا یہاں مسجد ہی بنے گی آخر کار جماعت سے مشورہ

کے بغیر مولوی عبدالباسط، عبدالجبار، عبدالمنان پسران مولوی حکیم غلام محمد صاحب نے اس جگہ پر قبضہ کرکے سامنے بازار کی طرف دیوار اور دروازہ لگا دیا جماعت نے انکار کیا کہ تم جماعت سے مشورہ کئے بغیر اس جگہ کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے بضد ہو کر وہاں پر اذان و نماز کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ

کیا جماعت کے مشورہ کے بغیر ان کا تصرف اور موجودہ قبضہ درست ہے یا نہیں؟

اور یہ کہ۔ اس زمین کو فروخت کرکے نئی زمین پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اور اگر شرعاً اس جگہ کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس پر حق تصرف و قبضہ جماعت کا ہونا چاہیئے یا صرف ایک گھر کے افراد کا؟

اس مسئلہ پر از روئے کتاب و سنت روشنی ڈالتے ہوئے جواب سے مشرف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ، جماعت کے پاس دو اہل علم کا نظریہ حسب ذیل ہے کیا اس سے جگہ کے فروخت کرنے کے مسئلہ کی تائید ہو سکتی ہے؟

مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالجبار غزنوی رح

کے صفحہ ۱۳ پر باب باندھا ہے۔

بَابُ حُكْمِ الْمَسْجِدِ الْخَرِبِ الَّذِي لَا يُنْتَفَعُ بِهِ،

عنوان باب کے بعد تحریر ہے کہ

صورت مذکورہ میں اہل علم مختلف ہیں امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام ابو یوسف رح اور ایک قول امام ابو حنیفہ رح کا اس پر ہے کہ وہ زمین اسی طرح رہے نہ بیچی جاوے۔ نہ مکان بنایا جاوے بلکہ اپنے حال پر باقی ہے۔ اور امام محمد رح اور ایک قول امام ابو حنیفہ رح کا اس پر ہے کہ وہ زمین بانی اور اس کے ورثا کا حق اور ملک ہو جاتی ہے۔

درمختار میں ہے۔

وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَهُ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ الْإِمَامِ أَبَدًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ

فَبِهٖ يُفْتِيْ (حاوى القدسی) وَعَادَ إِلَى الْمَالِكِ أَيْ مَالِكِ الْبَانِيْ أَوْ وَرَثَتِهٖ عِنْدَ مُحَمَّدٍ.

اور محقق شامی نے رد المحتار میں لکھا ہے کہ

قَالَ فِي الْإِسْعَافِ وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ أَنَّ قَوْلَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رح كَقَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ وَبَعْضُهُمْ ذَكَرَهٗ كَقَوْلِ مُحَمَّدٍ رح

(د) امام احمدؒ کے نزدیک وہ زمین بیچی جائے اور اس کی قیمت مسجد جدید پر خرچ ہو جائے رحمۃ الامہ میں ہے۔ اِخْتَلَفُوْا فِيْ جَوَازِ بَيْعِهٖ وَصَرْفِ ثَمَنِهٖ فِيْ مِثْلِهٖ وَكَذٰلِكَ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ لَا يُرْجٰى عَوْدُهٗ۔

میرے فہم میں امام احمدؒ کا قول سب اقوال سے راجح اور حکم اور مصالح شرعیہ کے بہت موافق معلوم ہوتا ہے لہٰذا عاجز امام احمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی رضی اللہ عنہما

مولانا عبد الجبار صاحبؒ اس فتویٰ کے ساتھ ہی باب هذا کا عنوان باندھ کر تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب:- حُكْمُ أَشْيَاءِ الْمَسْجِدِ الَّتِيْ لَا يُمْكِنُ أَنْ يُنْتَفَعَ بِهَا فِي الْمَسْجِدِ عِنْدِيْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَنْ تُبَاعَ وَيُصْرَفَ ثَمَنُهَا فِيْ ضَرُوْرِيَاتِ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ أَوْ لِمَسْجِدٍ آخَرَ إِذَا لَمْ تَكُنْ ضَرُوْرَةُ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ وُقِفَتْ تِلْكَ الْأَشْيَاءُ لَهٗ وَبِهٖ يَقُوْلُ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ رح كَمَا اخْتَلَفُوْا فِيْ جَوَازِ بَيْعِهٖ وَصَرْفِ ثَمَنِهٖ وَإِنْ كَانَ مَسْجِدًا فَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ يَبْقٰى عَلٰى حَالِهٖ وَلَا يُبَاعُ وَقَالَ أَحْمَدُ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ وَصَرْفُ ثَمَنِهٖ فِيْ مِثْلِهٖ وَكَذٰلِكَ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ لَا يُرْجٰى عَوْدُهٗ وَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ يَقْتَضِيْهِ حُسْنُ الشَّرِيْعَةِ وَحِكْمَتُهَا۔

۲۔ مولانا محمد اسمٰعیل ناظم جمعیت اہل حدیث اپنے رسالہ (اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ) کے ص ۱۹ پر وقف میں تصرف کا عنوان باندھ کر تحریر فرماتے ہیں، وقف کی شرعی حیثیت معلوم ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس مسئلہ میں احتیاط اہل علم سے مخفی نہیں، وہ وقف میں کوئی تبدیلی جائز نہیں سمجھتے۔ امام احمدؒ کا مسلک ہے کہ اگر وقف کی حیثیت اور واقف کے مقصد کو تبدیل سے فائدہ ہو تو بدلنا درست ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ذکر فرمایا ہے جس سے امام احمدؒ کی تائید ہوتی ہے۔

قَدْ جَوَّزَ اَحْمَدُ اِبْدَالَ مَسْجِدٍ بِمَسْجِدٍ لِمَصْلِحَةٍ كَمَا جَوَّزَ تَغْيِيْرَهُ بِالْمَصْلِحَةِ وَاحْتَجَّ بِاَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَبْدَلَ مَسْجِدَ الْكُوْفَةِ الْقَدِيْمَةِ بِمَسْجِدٍ اٰخَرَ وَصَارَ الْمَسْجِدُ الْاَوَّلُ سُوْقًا لِلتَّمَّارِيْنَ. (فتاوی ابن تیمیہ ۳ ص۳۸۹)

امام احمدؒ مسجد کو دوسری عمارت یا جگہ سے تبدیل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں.

جس طرح مصلحت کی بناء پر اس کے اندر تبدیل کرنا درست ہے حضرت عمرؓ نے کوفہ کی پرانی مسجد کو دوسری مسجد سے بدلوایا. پہلی مسجد شارع عام اور بازار بن گئی.

وقف کے مسائل شیخ الاسلامؒ نے فتاویٰ کی دوسری جلد ص۱۱۱ میں کسی قدر بسط لکھے ہیں.

علی الطالب ان یرجع الیہ — محمد اسحٰق چیمہ امیر جمعیت اہلحدیث لائل پور

جواب - یہاں پر دو مسئلے ہیں-

ایک یہ کہ مجبوری کی حالت میں وقف میں فروخت وغیرہ کے ساتھ تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

دوسرا یہ کہ پہلی جگہ اگر مسجد بنا دی جائے تو تولیت کا حق کس کو ہوگا؟

پہلے مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ سوال میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ کے فتویٰ سے ظاہر ہے لیکن یہاں ایک اصول مشہور ہے کہ

اِعْمَالٌ سے اِعْمَال بہتر ہے

یعنی کوئی شے بیکار چلی جائے. اور ضائع ہو جائے اس سے بہتر ہے کہ کسی کام پر لگا دی جائے اور اس سے کوئی فائدہ اٹھا لیا جائے. امام احمدؒ وغیرہ کا فتویٰ اسی اصول پر مبنی ہے.

اگرچہ وقف کے احترام کا تقاضا تو یہی ہے کہ وقف میں کوئی ایسا تصرف نہ کرنا چاہیئے جو وقف کے منافی ہو جیسے وراثت یا ہبہ یا بیع شراء وغیرہ- لیکن اصول مذکورہ بھی اصل ہے- اس کا تقاضا بھی پورا کرنا چاہیئے.

پس مناسب یہی ہے کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے. جس میں حتی الوسع دونوں تقاضے پورے ہو جائیں سو وہ امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ:-

تصرف منافی وقف دو طرح کا ہے:-

(۱) ایک حقیقۃً

(۲) ایک صورۃً

حقیقۃً تو یہ ہے کہ وقف سرے سے وقف ہی نہ رہے جیسے امام احمدؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ وقف بیکار ہونے کی صورت میں ملک واقف کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اور صورۃً یہ ہے فروخت کرکے اس کی قیمت وقف کی جگہ خرچ کی جائے، جیسے امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں یا جیسے حضرت عمرؓ نے مسجد کا کچھ حصہ ضرورت کے لئے بازار میں داخل کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ وغیرہ کے مذہب میں اصول مذکور کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

اور امام محمدؒ کے مذہب میں وقف کا احترام بالکل نہیں رہتا۔

اور امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب میں دونوں تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ پس یہی مذہب راجح ہے

دوسرا مسئلہ متفقہ ہے کہ تو ریث کا حق ساری جماعت کو ہے کیونکہ مشکوٰۃ باب احیاء الموات میں حدیث ہے

وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (یعنی ظالم جڑ کا کوئی حق نہیں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ بیگانی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے یا عمارت وغیرہ بنائے تو اس کا کوئی حق نہیں۔

چونکہ یہ زمین ساری جماعت کی ہے اس لئے جماعت کی اجازت کے بغیر کسی کو تصرف کا اختیار نہیں۔

لیکن جماعت کو بھی شریعت کے دائرہ کے اندر رہنا چاہیئے۔ شریعت کا دائرہ یہاں دو چیزیں ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، محلہ محلہ مسجدیں بناؤ اگر یہ جگہ محلہ سے الگ ہے تو اس حدیث کی بناء پر جماعت کو چاہیئے کہ مسجد بنائیں اور جس کو چاہیں امام یا متولی مقرر کریں لیکن محلہ محلہ جمعہ جائز نہیں بلکہ جمعہ ایک ہی جگہ ہو گا جہاں سب سما سکیں۔

(۲) اگر یہ جگہ الگ محلہ نہیں تو پھر تین صورتوں میں سے جون سی چاہیں اختیار کریں۔

اوّل : آئے گئے مسافر اور مہمان کے لئے کرہ بنا دیا جائے۔

دوم : امام کے لئے مکان بنا دیا جائے جو مسجد کے متعلق وقف ہو۔

سوم : اگر ان دو صورتوں کی گنجائش نہ ہو یا مناسب نہ ہوں تو پھر اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت نئی مسجد پر خرچ کر دی جائے۔ —— یا مسجد کے ساتھ آئے گئے مسافر یا امام کے لئے مکان بنا دیا جائے۔ اور جماعت کا ایک امیر بنالیں جو جماعت کے مشورہ سے کام کرے۔ واللہ الموفق

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

وقف زمین میں عشر کا مسئلہ

سوال ۔ اراضی موقوفہ خصوصاً اراضی موقوفہ بالمسجد میں عشر واجب ہے یا نہیں بادلائل تحریر فرمائیں۔

جواب ۔ عن ابی ھریرۃ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر علی الصدقۃ فقیل منع ابن جمیل وخالد بن الولید والعباس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ واما خالد فانکم تظلمون خالدا فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ واما العباس فھی علی ومثلھا معھا ثم قال یا عمر اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیہ (متفق علیہ)

یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو صدقہ پر عامل بنا کر بھیجا۔ کہا گیا ابن جمیل رضؓ خالد بن ولیدؓ اور عباسؓ نے صدقہ ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن جمیل رضؓ نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے اس کو غنیمتوں کے مال کے ساتھ غنی کر دیا اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہیں اور سامان جنگ (ہتھیار گھوڑے اونٹ وغیرہ) کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے اور عباس کا میرے ذمہ ہے اور اس کی مثل اور اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے۔ مگر وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ وہ وقف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وقف مانع صدقہ ہے پس زمین بھی اس کے تحت آگئی نیز حضرت عمرؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ منتقی مع نیل الاوطار کتاب الوقف وغیرہ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وقف میں عشر نہیں۔ نیز وقف خود ایک قسم صدقہ ہے پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنی نہیں اس لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۲۱ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ)

ف اس مسئلہ کا بیان فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۴۲۹ پر بھی ہو چکا ہے۔